

تجدید آرزو

نسیم ریخت



فہرست

غزلیں

۱۵ مدینے کی ہر شے کی زینت جدا
۱۷ تمنادل میں ہے میری محمدؐ کی زیارت ہو
۱۹ کربلا کے واقعہ پر آنکھ ہو جاتی ہے نم
۲۱ دل بے زار پر اب تک ہیں زخموں کے نشاں باقی
۳ بد لے میں تیرے ظلم کے ہم کو بھی آ ملی
۵ تھی چارہ گر کی آنکھ تو زخم کہن تلک
۷ اے طائر بہار! یہ وہ گلستاں نہیں
۹ اڑتی ہوئی خبر سنی سارے جہان میں
۱۱ پوچھتے ہیں لوگ ہم کو کس نے تنہا کر دیا
۱۳ کس نے ہمارے دل کو کس نے کھینچ لیا

روشن چراغ سے ہوئی تجدیدِ آرزو
اک شعلے کی زبان ہے آغازِ گفتگو

فہرست

غزلیں

مدینے کی ہر شے کی زینت جدا
تمنادل میں ہے میری محمدؐ کی زیارت ہو
کربلا کے واقعہ پر آنکھ ہو جاتی ہے نم
دل بے زار پر اب تک ہیں زخموں کے نشاں باقی
بدلے میں تیرے ظلم کے ہم کو بھی آملی
تھی چارہ گر کی آنکھ تو زخم کہن تلک
اے طائر بہار! یہ وہ گلستاں نہیں
اڑتی ہوئی خبر سنی سارے جہان میں
بو جھتے ہیں لوگ ہم کو کس نے تنہا کر دیا

روشن چراغ سے ہوئی تجدیدِ آرزو
اک شعلے کی زبان ہے آغازِ گفتگو

فہرست

غزلیں

- ۱۵ مدینے کی ہر شے کی زینت جدا
۱۷ تمنادل میں ہے میری محمدؐ کی زیارت ہو
۱۹ کربلا کے واقعہ پر آنکھ ہو جاتی ہے نم
۲۱ دل بے زار پر اب تک ہیں زخموں کے نشاں باقی
۲۳ بدلے میں تیرے ظلم کے ہم کو بھی آملی
۲۵ تھی چارہ گر کی آنکھ تو زخم کہن تلک
۲۷ اے طائر بہار! یہ وہ گلستاں نہیں
۲۹ اڑتی ہوئی خبر سنی سارے جہان میں
۳۱ پوچھتے ہیں لوگ ہم کو کس نے تنہا کر دیا
۳۳ بنے ہیں کس طرح دشمن کبھی دلدار تھے میرے
۳۵ آؤ کچھ اہتمام کرتے ہیں

روشن چراغ سے ہوئی تجدید آرزو
اک شعلے کی زبان ہے آغازِ گفتگو

زخم کہن کو ہم نے تو نذر چمن کیا
پھر سے بدلا ہے یہ منظر شہر کی تصویر کا
ایک شعر
ایک شعر
ایک خاکہ بن رہا ہے اب تری تصویر کا
وہی تو شان کام آئی کسی کی بے نیازی کی
ابھی تک یاد ہے موسم ہمیں وہ دل نوازی کا
حسن بیان کا یہی حسن کمال تھا
دعا ممکن ہے نازک وقت ہی میں کام آ جائے
مت پوچھ انقلاب جو آیا بہار میں
کہانی میری سننے کو کوئی ہر شام آتا ہے
اس شہر میں اب اہل سخن کام کریں گے
تم شمع جلاؤ گے اگر خون جگر سے
کہو تو عمر رفتہ کا کوئی ایسا سہارا ہو
دیکھتی ہوں جب بھی میں آنکھوں کو غم
ایسے ہی خفا ہوتے ہیں ہم سارے جہاں سے
اجنبی سے شہر میں ہمارا جی نہیں لگا
جو بھی وعدے کیے وہ وفا ہو گئے
دلوں میں شوق منزل ہے تو پھر کچھ جستجو کر لو

۳۷

۳۹

۴۱

۴۲

۴۳

۴۵

۴۷

۴۹

۵۱

۵۳

۵۵

۵۷

۵۹

۶۱

۶۳

۶۵

۶۷

۶۹

۷۱

بتاؤ تم میں غم کی داستاں لے کر کہاں جاؤں
مجھ میں تو اب کے صبر شکیبائی بھی نہیں
گرنے سے اک شجر کے گرے کتنے آشیانے
روشن چراغ سے ہوئی تجدید آرزو
یہ شہر میرے طرز سے واقف تمام ہے
شکوہ نہیں ہے تجھ سے کوئی جان آرزو
چمن سے اٹھ گیا ہے جب سے سارا اختیار اپنا
ملتے ہیں چھپنے والے لب بام اب مجھے
تھا ترک وطن کیا، ہمیں درپیش تھی مشکل
دشوار رہ گزر کا بھی کچھ ڈر نہیں رہا
تمنا ہے تری الفت سے دل سرشار ہو جائے
طلب کس کو رہی اب کے کسی سے دل لگانے کی
بے کلی ایسی تھی ہم اس کی گلی کے ہو گئے
یہ تم سے ہی محبت ہے، یہ تم سے ہے شکایت بھی
کسی کا حسن ہے دولت کسی کی
خاموش ہے یہ دل مرا کوئی صدا نہیں
یوں لگ رہا ہے جیسے یہ میری اساس ہے
مجھے عہد گزشتہ کے فسانے یاد آتے ہیں
لکھی تھی جو کہانی وہ کہانی یاد آتی ہے

۷۳

۷۵

۷۷

۷۹

۸۱

۸۳

۸۵

۸۷

۸۹

۹۱

۹۳

۹۵

۹۷

۹۹

۱۰۱

۱۰۳

۱۰۵

۱۰۷

۱۰۹

نسیم اختر کے شعری مجموعے

- ۱- طائر مدینہ
 - ۲- درد کا اک شہر
 - ۳- وفاؤں کا بھرم
 - ۴- تجدید آرزو
 - ۵- یاداں دی خشیو (پنجابی)
- 59/A - کالج بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
- فون: 5410583

70 Yardley Wood Road
Mosely B13 9JD
Birmingham (U.K)
Ph: 01216896354

اسے سوچا گیا منصب جو اس منصب کے قابل ہے
تری یادوں بھری بوئے سمن تو ملتی رہتی ہے
عجب سے موڑ پر لے آئی ہے اب کے خودی مجھ کو
نظمیں

- ۱۱۹ شوق
- ۱۲۰ خواہش
- ۱۲۱ ایک اور خواہش
- ۱۲۲ میں اڑ سکتی ہوں
- ۱۲۳ بے بسی
- ۱۲۴ مشکل
- ۱۲۵ قسمت
- ۱۲۶ آخر کار
- ۱۲۷ یادوں کی خوشبو
- ۱۲۸ کیا پوچھو گے

نور پاکستانی پرواز غزلیں

گرنے سے اک شجر کے گرے کتنے آشیانے
ہم کو گرا کے تجھ کو ملا بھی ہے کیا زمانے



مدینے کی ہر شے کی زینت جدا
مکیں اور مکاں کی ہے نسبت جدا
شب و روز اس کے بہت منفرد
یہاں ہے دعاؤں میں برکت جدا
میسر ہے بے دام دانہ یہاں
پرندوں کو ہوتی ہے حسرت جدا

خدا کی محبت ہی تسکین ہے
محمدؐ کی الفت کی عظمت جدا

بہت برگزیدہ فقیروں کا گھر
طریقت میں ملتی ہے دولت جدا



تمنا دل میں ہے میرے محمدؐ کی زیارت ہو
مدینے والے کے پر نور مرقد کی زیارت ہو
بھرا ہے میرا دامن نفرتوں کی کالی راتوں سے
بدل دے جو یہ قسمت ایسے مرشد کی زیارت ہو

مرے سر میں ہمیشہ گنبدِ خضرا کا سودا ہے
محمد مصطفیٰؐ کی اونچی مسند کی زیارت ہو

مجھے مل جائے ان کے روضے کی دیوار کا سایہ
 مدینے میں رہوں اور سنگِ اسود کی زیارت ہو
 بنی ہے جس کے دم سے ارضِ طیبہ نور کا منبع
 نسیم زار کو اُس حسن بے حد کی زیارت ہو



کربلا کے واقعہ پر آنکھ ہو جاتی ہے نم
 میرے ایمان کی نشانی بن گیا ہے تیرا غم
 پیش کرتی ہوں سلام اے فاطمہ کے لاڈلے
 تیری نسبت ہی سے گویا سرخرو ہیں آج ہم
 تو نے اپنے نانا کی سنت کو زندہ کر دیا
 رہنمائے دینِ حق ہے تیرا ہی نقشِ قدم

میری آنکھوں میں ابھی تک ہے فرات اک پیاس کا
تیرے صبر و استقامت سے اٹھے تھے سب علم

اے خدا تو اپنے پیارے کے نواسے کے طفیل
اس نسیم بے نوا کا ہر قدم رکھو بھرم



دل بے زار پر اب تک ہیں زخموں کے نشاں باقی
مسیحا ہی نہیں کوئی رہے گی یہ فغاں باقی
لٹی ہے جب سے یہ محفل ہوئی خاموش اک دنیا
کوئی آئے نہ آئے ہاں رہے گی داستاں باقی

مری سوچیں ہوئیں مفلوج اور منزل پہ پہرے ہیں
ابھی راہ وفا میں اور بھی ہیں امتحاں باقی

دل نادار کی بنجر زمیں پر بیج بوؤں گی
کھلیں گے پھول امیدوں کے اب بھی ہے گماں باقی

ہوئی ہیں چاند سے باتیں بہت خاموش لمحوں میں
مرے گالوں پہ آخر تک رہے اشک رواں باقی

میں طوفانوں کی زد میں تھی نظر مجھ پر تھی بجلی کی
خدا کا شکر میرا بیج گیا ہے آشیاں باقی

مرے مولا کی مجھ پر ہے عنایت یوں نسیم اختر
کہ منزل تک پہنچنے کو ابھی ہے کہکشاں باقی



بدلے میں تیرے ظلم کے ہم کو بھی آ ملی
صبر و رضا کے رنگ میں ہم کو جزا ملی

برباد ہم ہوئے بھی تو رت تھی بہار کی
ہر راستے میں ہم کو تو زخمی صبا ملی

آندھی چلی غضب کی سبھی پھول گر گئے
اب کے برس چمن کو یہ کیسی ہوا ملی

خاموش ہو گئے ہیں مگر پوچھتے ہیں یہ
کس جرم کی سزا ہمیں یوں بے خطا ملی

جانے وہ بات کیا تھی وہ کیا جرم تھا نسیم
جس کے لیے جہاں میں ہمیں یوں سزا ملی

سجدے کیے نسیم نے راتوں کو جاگ کر
تب جا کے اس کو درد کی اپنے دوا ملی



تھی چارہ گر کی آنکھ تو زخم کہن تلک
پہنچی ہے داستان ہر اک انجمن تلک

مشکل ہوا ہے جینا مرا دشتِ درد میں
تنہائی کی یہ آگ تو پہنچی بدن تلک

میں نے جو طے کیا ہے سفر اپنی ذات میں
آیا ہے شہرِ خار بھی اب اس چمن تلک

خلقِ خدا سے سن لیے طعنے مزید بھی
پہنچے گا دل یہ کیسے مرا اب سخن تلک

چھائی ہے چاندنی بھی مری آنکھ میں نسیم
دیکھا ہے اس زمین سے میں نے گگن تلک



اے طائرِ بہار پہ وہ گلستاں نہیں
اب کے شجر پہ کوئی ترا آشیاں نہیں
کرتا رہا تلاش فضاؤں میں رزق تو
کیا اس زمیں پہ کوئی بھی اب آسماں نہیں

افسردگی بتا گئی تیری نگاہ کی
تم کو تو یاد کچھ بھی مری داستاں نہیں

آزردہ دل نہ ہو تو مجھے آزما کے دیکھ
تیرا جو مہرباں ہے ترا مہرباں نہیں

سب فاصلے مٹائیں گے جو درمیان ہیں
اک بات بھی تو ایسی کوئی درمیاں نہیں

چپکے سے کہہ گیا کوئی مجھ کو بھی اے نسیم
وہ پیار ہی ہے کیا کہ جہاں امتحاں نہیں



اڑتی ہوئی خبر سنی سارے جہان میں
دشمن مرا چھپا ہے مرے ہی مکان میں

وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مجھ کو خبر نہیں
ہر بات ان کی ہوتی ہے میرے ہی دھیان میں

ان کی نشانہ بازی کا اب دیکھیے کمال
ان کا بھی تیرا آچکا میرے کمان میں

ان کا گمان ہے کہ ہوں غافل خدا سے میں
 میں تو سدا رہی ہوں اسی کی امان میں
 تیری حدیثِ شوق تھی ہر ایک نے سنی
 تاثیر تھی عجب ترے حسنِ بیان میں
 دنیا میں ساری نعمتیں تیری ہیں اے نسیم
 سب ذائقے خدا نے رکھے ہیں زبان میں



پوچھتے ہیں لوگ ہم کو کس نے تنہا کر دیا
 ہے خوشی اس بات نے گوشہ مہیا کر دیا
 عمر بھر اس خود فریبی میں رہیں گے مبتلا
 مشکل اب اس شہر میں کس نے ہے جینا کر دیا
 کہتے ہیں گوشہ نشینی نے مجھے اندھا کیا
 دینے والے نے مجھے کیا دے کے بینا کر دیا

ان کو گر میں کچھ کہوں تو وقت یہ کھو جائے گا
مشکلوں نے مجھ کو اب کے دیکھ کیسا کر دیا

ہے عطا ان کی ہمیں ٹک کر نہ رہنے دیں گے وہ
شکر یہ ان کا، انہوں نے رستہ پیدا کر دیا



بنے ہیں کس طرح دشمن، کبھی دلدار تھے میرے
مجھے غم دے کے خوش ہیں جو کبھی غمخوار تھے میرے

تصور میں سجایا تھا، اسے دل میں بسایا تھا
مری آنکھوں سے روشن تر بہت شہکار تھے میرے

مری ہر بات سے ان کو بہت ہی ناگواری تھی
مرے ہی وہ مخالف تھے مگر سالار تھے میرے

پریشاں ہو گئی ہوں میں کہ کس کے ہو گئے ہیں وہ
کبھی میں سوچتی ہوں اب کہ وہ سرکار تھے میرے

بھروسہ کس پہ کر پاؤں گی اب میں اے نسیم اختر
وہی تھے پھول کی صورت وہی تو خار تھے میرے



آؤ کچھ اہتمام کرتے ہیں
جشن کا انتظام کرتے ہیں
ہم محبت کے گیت گاتے ہیں
ہم ترا احترام کرتے ہیں

موسم گل ہماری آنکھ میں ہے
آنکھ بھی تیرے نام کرتے ہیں

اک گھڑی پاس آ کے کہ بیٹھو ہم
گردشوں کو غلام کرتے ہیں

آؤ اس دل کی بات مانتے ہیں
آج اس کو امام کرتے ہیں



زخمِ کہن کو ہم نے تو نذرِ چمن کیا
شہرِ وفا میں رہ کے بھی جرمِ سخن کیا

کس خوش ادا کے ہاتھ سے تھا جامِ پی لیا
خود کو کمالِ واقفِ دار و رسن کیا

آہ و فغاں تھی بلبِلِ غمگین کی وہاں
ہم نے تو ایک فرد کو تھا انجمن کیا

اس پورے گلستاں میں کوئی دیدہ ور نہ تھا
اس خوبرو کے سامنے سرو و سمن کیا

میں ریزہ ریزہ ہو گئی سنتے ہی واں نسیم
کس نے ہمارے دوست کو یوں طعنہ زن کیا



پھر سے بدلا ہے یہ منظر شہر کی تصویر کا
کام ہے یہ گرچہ سارا کاتبِ تقدیر کا
جو سمندر کے کنارے تھا بنایا گھر کبھی
وہ تو حصہ تھا مرے پرکھوں ہی کی جاگیر کا

اب توجہ سے کیا ہے میں نے اس کو پھر شروع
رہ گیا تھا کام باقی گھر کی جو تعمیر کا

اپنے ہاتھوں سے سجاؤں خانہء ویران کو
کیوں کبھی ہو سر برہنہ دخترِ دلگیر کا

کب تلک صیاد ہم کو اس طرح تڑپائے گا
توڑنا ہے یہ تسلسل جبر کی زنجیر کا

ایک شعر

کھو گئی ہوں میں تو گم کردہ سی راہوں میں کہیں
اور مٹتے جاتے ہیں قسمت کے لکھے سارے حرف



ایک شعر

جس جگہ پہنچی ہوں میں اب کون سی ہے یہ جگہ
کاش پھر سے ہو عطا منزل کو پانے کا شرف

ایک خاکہ بن رہا ہے اب تری تصویر کا
دوسرا اک رخ بھی دیکھو اب مری تحریر کا
پھر کیا ترک وطن بھی بادل، نحواستہ
خود ہی بدلے گا اثر اب خواب کی تعبیر کا

ریزہ ریزہ ہو کے بکھری ہوں میں اب کے اس طرح
ہو گیا سامان خود ہی اب مری توقیر کا

کر رہی ہوں میں نسیم اپنی وفا کے واسطے
قرض وہ جو میرے ذمہ تھا مری تقصیر کا

اے وطن قربان تیرے کیوں نسیم اختر نہ ہو
اک ارادہ اس کے دل میں ہے تری تعمیر کا



وہی تو شان کام آئی کسی کی بے نیازی کی
تمنا تھی بہت اس کو بھی اپنی سرفرازی کی

سمجھ میں آ سکی اپنے نہ کوئی بات بھی اس کی
اگرچہ بات تھی ساری ہماری دل نوازی کی

زمانہ جانتا ہے جب تمہیں ہم ملنے آئے تھے
محبت ایک کوشش ہے مکمل حیلہ سازی کی

ہمیں معلوم ہے اتنا کہ تجھ کو ہم نے چاہا تھا
نہیں پروا کوئی ہم کو اب اپنی ہاری بازی کی

نسیم اختر چلو چھوڑو یہ باتیں ہیں مقدر کی
شکایت کیوں کریں گے ہم کسی کی بے نیازی کی



ابھی تک یاد ہے موسم ہمیں وہ دلنوازی کا
پھر اس پر لطف تیری روز کی مہماں نوازی کا

کرے گا کون اب چارہ گری اہلِ محبت کی
عجب دیکھا رویہ جب سے تیری بے نیازی کا

عدو سے ربط رکھا تھا مگر ہم جانتے تھے یہ
سلیقہ کون سیکھے گا کسی سے شاہبازی کا

کسی بھی اونچی ٹہنی پر کوئی جب پھول کھلتا ہے
کرشمہ دیکھتی ہوں میں تمہاری کار سازی کا

تمنا ہے یہی دل میں شہادت ہی ملے ہم کو
وطن کے نام پر ہو شوق پورا سرفرازی کا

جہاں میں یوں تو کتنے کام ہوتے ہیں نسیم اختر
مگر افضل ہے سب کاموں سے سجدہ اک نمازی کا



حسنِ بیان کا یہی حسنِ کمال تھا
اس کا تھا جو جواب وہ میرا سوال تھا

ہم حیرتوں میں گم ہوئے جب اس نے بات کی
مت پوچھیے ہمارا جو اس وقت حال تھا

جس کی زباں کو قوتِ گفتار مل گئی
اس کا تو بولنا بھی ہمیشہ محال تھا

خوشبو گلوں میں رچ گئی اس گل خصال کی
کس کا کسی کے ساتھ یہ کیسا وصال تھا

چھو کر صبا گئی ہمیں کس شوق سے نسیم
اس کا گزر ہوا ہے یہ سب کا خیال تھا



دعا ممکن ہے نازک وقت ہی میں کام آ جائے
کہ بھولا صبح کا واپس جو وقتِ شام آ جائے
لکھی جائے گی جب تاریخ اس گلزارِ ہستی کی
یہ ممکن ہے کہ دیوانوں میں میرا نام آ جائے
یہی چارہ گری ہے دردِ الفت کی جو جانو تو
مسیحا چل کے میرے پاس گرد و گام آ جائے

پریشاں ہوں اکیلی میں اب اس دشتِ غربی میں
تمہارا دو گھڑی کا ساتھ شاید کام آ جائے

اندھیری رات میں تنہا بھٹکتی پھر رہی ہوں میں
کہو یہ چاند سے لے کر مرا گلفام آ جائے

حصولِ شوقِ منزل کی تمنا کر نسیم اختر
نہ کھو دینا خوشی کا ہاتھ میں گر جام آ جائے



مت پوچھ انقلاب جو آیا بہار میں
اجڑی ہے فصلِ گل بھی اسی انتشار میں
کب کھل سکے کبھی مری چاہت کے چار پھول
کھلتے تو کام آتے کسی کے سنگھار میں

آئی جو شام سر پہ تو سائے بچھڑ گئے
اب تک خلش ہے باقی ترے دل فگار میں

بن کر عتاب آئی ہے آندھی کبھی یہاں
دیکھو وہ کیسے قید ہے گھر کے حصار میں

رہ دیکھتی رہی ترا رک رک کے پھر نسیم
کاٹی ہے اس نے رات ترے انتظار میں



کہانی میری سننے کو کوئی ہر شام آتا ہے
وہی ہے چاند سا چہرہ لب ہر بام آتا ہے
اترتا ہے تمہاری یاد کا موسم جب آنگن میں
مرے خوابوں میں چپکے سے وہی گلہام آتا ہے

ہوا میں سیٹیاں بجتی ہیں چاروں اور کیسے پھر
ہمارے ذہن میں اس کا خیال خام آتا ہے

اسے ملنے جو جاؤں میں بہاریں ساری لوٹ آئیں
 بلاوا دیکھیے کوئی جو میرے نام آتا ہے
 نسیم ایسے ہی خوش ہوتا ہے پھر صیاد مستی میں
 پرندہ تو پرندہ ہے وہ زیر دام آتا ہے



اس شہر میں اب اہل سخن کام کریں گے
 اک شام سخن تیرے بھی ہم نام کریں گے
 ہو جائے ادارہ مدارات بھی اب کے
 پیش ان کو بھرادل کا یہ اب جام کریں گے
 ہر رات سجا ئیں گے ترے سر پہ ستارے
 اور صبح بنا کر تجھے انعام کریں گے

روشن بھی کرے داغِ جگر شمعِ فروزاں
 ہم اس کا تصور تو سرِ شام کریں گے
 گلشن میں الجھتی ہوئی بیلوں کی مہک ہے
 یہ پھول تو کام اپنا ہر اک گام کریں گے
 اس دشتِ غربی میں ہوئی شامِ غریباں
 ہم اپنی محبت کو بہت عام کریں گے



تم شمعِ جلاؤ گے اگر خونِ جگر سے
 پھوٹے گی نئی صبح پھر اس کے ہی اثر سے
 جل جاتے ہیں گھر اپنے چراغوں سے ہمیشہ
 طوفانِ سمندر میں بھی آتے ہیں قمر سے
 ملتا ہے گلوں کو یہ بہاروں ہی سے تحفہ
 ہم نے بھی تو پایا ہے یہی شام و سحر سے

خوشبو ہے قبائے گلِ معنی کا تصور
ہے تازگی پھولوں کی مگر حسنِ نظر سے

میں کیسے نسیم اس کو لکھوں ماجرا سارا
غم پائے ہیں میں نے جو بھی اس کے نگر سے



کہو تو عمرِ رفتہ کا کوئی ایسا سہارا ہو
کہ جس کے نام پر دھڑکا کبھی یہ دل ہمارا ہو

عجب انداز سے اس نے کیا ہے خیر مقدم بھی
کہ جیسے فرضِ الفت کا فقط اس نے اتارا ہو

جو ایسے کرب سے گزرے اسی سے پوچھ کر دیکھو
ہمیں اس شہر میں رہنا کہاں تک اب گوارا ہو

ابھی تک سامنے میرے ہے منظرِ وقتِ رخصت کا
بسا رہتا ہے آنکھوں میں کوئی دلکش نظارا ہو

دیوارِ غیر کے نیلے افق پر چاند ہوتا ہے
مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ وہ چہرا تمہارا ہو

کہاں تک کھائیں گے غوطے ذرا سنبھلو نسیم اختر
غموں کے بحر کا آخر کوئی تو اک کنارہ ہو



دیکھتی ہوں جب بھی میں آنکھوں کو غم
سوچتی ہوں دل نے کیوں پالے ہیں غم

صبحِ نو کی ایک امید اس سے ہے
اب گزر جائے گی یہ شامِ الم

اپنی سانسیں گن رہی ہوں کب کی میں
دل یہ بڑھتا جا رہا ہے زیر و بم

دل مسافر ہے یہاں اب جانِ جاں
ہر نیوں کا دیکھنا ہے اس نے رم

کیا شکایت وقت کی اس وقت سے
ایک رستہ چل رہا ہے خم بہ خم

بھول جاتی ہے اداسی بھی نسیم
دیکھ لیتی ہوں میں جب دل میں صنم



ایسے ہی خفا ہوتے ہیں ہم سارے جہاں سے
کب تیر چلائیں گے ہم اپنی بھی کماں سے

انجام کا دھڑکا ہے ہمیں شام و سحر کیوں
اب سوچے آغاز ہمارا ہے کہاں سے

تم ڈھونڈ کے لاؤ تو کوئی ایسا مسیحا
جو حرفِ تسلی ہی بنے اپنی زباں سے

دیوار سے بیلوں کو ہٹانا نہیں اچھا
اس سبزے کو نسبت بھی تو ہوتی ہے مکاں سے

کہتے ہیں کہ اس شہر میں شہزادے مکیں ہیں
خوابوں کو نکالے نہ کوئی اپنے مکاں سے

تم بھی تو کوئی رسم ادا کر کے دکھاؤ
وہ شخص تو نکلا ہی نہیں وہم و گماں سے



اجنبی سے شہر میں ہمارا جی نہیں لگا
کون ایسا شخص تھا جو اجنبی نہیں لگا

دیکھتا کسے کوئی کسے تھی ہوش بھیڑ میں
جو بھی تھا وہاں مجھے وہ آدمی نہیں لگا

چاند کی تھی چاندنی فلک فلک گماں تلک
پھر بھی اس کا فن مجھے تو ساحری نہیں لگا

وہ جو ایک خواب تھا وہ خواب ہی رہے گا اب
جو بھی غم ملا مجھے وہ عارضی نہیں لگا

سب سخن طراز ہیں کوئی بھی با وفا نہیں
وہ نسیم کام کیا جو کام ہی نہیں لگا



جو بھی وعدے کیے وہ وفا ہو گئے
شہر کے لوگ ہم سے خفا ہو گئے

جو بھی نکلے تھے ارمان دل سے مرے
دیکھتے ہی وہ حرفِ دعا ہو گئے

کیسے اہل وفا تھے جو مشکل سے
ایک لمحے میں ہم سے جدا ہو گئے

میں تو ملتی ہوں ہر ایک سے شہر میں
ہیں فرائض اگر یہ ادا ہو گئے +

ہر گلی میں تعصب کی چنگاریاں
دل شکستہ حریف صدا ہو گئے

ایک معصوم سی ہے یہ خواہش نسیم
ورنہ وعدے ہی کیا جو وفا ہو گئے



دلوں میں شوق منزل ہے تو پھر کچھ جستجو کر لو
جو خوابوں کی ہیں تعبیریں انہیں اب خبرو کر لو

اگر چاہو فضائے دہر میں رنگینی منظر
نگاہ حسن یاراں کی حسیں سی آرزو کر لو

فسوں ٹوٹے گا خاموشی کا پھرتیرے لبوں ہی سے
مثال غنچہ و شبنم سحر سے گفتگو کر لو

نویدِ جاں ہوئے ہیں پھر نسیم اختر صبا جھونکے
نہیں اچھا کہ پھر سے تم جگر کو یوں لہو کر لو

جنوں کو نقش کر دو تم بساطِ دہر پر خود ہی
جو کرنے کا ہے کام اپنا ابھی سے حیلہ جو کر لو

وہ شعلہ ہے نسیم اختر وہ چمکے گا ضرور آخر
یہ اچھا ہے کہ شعلے کو تم اپنے روبرو کر لو



بتاؤ تم میں غم کی داستاں لے کر کہاں جاؤں
مرے دشمن تو میرے ساتھ جائیں گے جہاں جاؤں

متاعِ درد لے کر میں سمٹ جاؤں گی حجرے میں
وگر نہ شمع کی صورت میں دے کراک نشاں جاؤں

یہ طوفانوں کا موسم ہے مگر زندہ تو رہنا ہے
یہ اچھا ہے شجر پر اب میں رکھ کر آشیاں جاؤں

اسی شہرِ تمنا میں مکیں ہوں اور ڈرتی ہوں
 میں کیسے چھوڑ دوں سب کچھ کہاں لے کر مکاں جاؤں
 وطن میں اپنے رہنا ہے پلٹ کر آ ہی جانا ہے
 حقیقت کو نسیم اب کے بنا کر کیوں گماں جاؤں



مجھ میں تو اب کے صبرِ شکیبائی بھی نہیں
 اس کے مزاج میں تو مسیحائی بھی نہیں
 کس کے لیے کروں گی ریاضت میں رات دن
 کوئی ہمارے ساتھ تمنائی بھی نہیں
 ویراں ہے بزمِ ناز بھی اور شمع ہے خاموش
 کیسا تماشا ہے کہ تماشا ئی بھی نہیں

کیسے کہوں کہ دل کو ہی ہوتی ہے دل سے راہ
اپنی تو اس کے ساتھ شناسائی بھی نہیں

آزردہ سی نسیم ہے اور باغ ہے اداس
ایسی خزاں میں اپنی پذیرائی بھی نہیں



گرنے سے اک شجر کے گرے کتنے آشیانے
ہم کو گرا کے تجھ کو ملا بھی ہے کیا زمانے

خاموش ہو گئے ہیں سبھی نغمہ سنج پنچھی
شاید وہ لوٹ آئیں گے پھر سے چمن سجانے

قیدی سے لگ رہے ہیں سبھی لوگ اس چمن میں
آزادیوں کے ویسے تو گاتے ہیں سب ترانے

ترک وطن کیا تھا تو اب بولتے ہو کیونکر
بھولیں گے کیسے تجھ کو وہ اپنے سے گھر پرانے

اپنے پروں سے اڑتا ہے جب بھی کوئی پرندا
واپس نہیں وہ آتا ہے اپنے پھر اس ٹھکانے

ٹہنی کسی شجر کی بنے گی جو گھونسلا تو
لکھے گی اس پہ دنیا بھی کتنے نئے فسانے

ہلنا نہیں ٹھکانے سے ہم کو نسیم اختر
ملتے ہیں کب سبھی کو وہ گم کردہ سب ٹھکانے



روشن چراغ سے ہوئی تجدید آرزو
اک شعلے کی زبان ہے آغاز گفتگو

ایسا ہو راز دار کہ دل بھی سمجھ سکے
اک دوسرے کی رکھنی ہے ہم ہی کو آبرو

اے دل ہوائے شوق میں کر منزلیں تلاش
راہِ وفا کو مل کے کریں پھر سے خبرو

دوری سے التفات میں کچھ فرق پڑ گیا
ہر بات ورنہ کرتا تھا وہ میرے روبرو

کچھ اس طرح سے آئی ہے اب کے بہار بھی
کیسے نسیم پھیلی ہے دیکھو تو کوکبو



یہ شہر میرے درد سے واقف تمام ہے
شامل مرا بھی شہر کے لوگوں میں نام ہے
سب کا کہوں گی سارے ہی میرے عزیز ہیں
لیکن مرا ہے وہ جو ابھی زیرِ دام ہے
جس انجمن میں جاتی ہوں بن جاتی ہے مری
ہر شام یہ گمان کہ یہ میری شام ہے

دیکھو چراغ جلتے ہیں ہر راہ میں یہاں
 شاید کسی کے آنے پہ یہ اہتمام ہے
 رہتے ہیں دھڑکنوں میں کئی وہم بھی مرے
 لیکن کسی کے دل میں تو میرا مقام ہے
 کرتے ہیں لوگ شہر میں باتیں نسیم اب
 وہ جانتے ہیں کتنا یہ پختہ کلام ہے



شکوہ نہیں ہے تم سے کوئی جانِ آرزو
 تیری رگوں میں دوڑ رہا ہے مرا لہو
 اس گھر کے بام و در سے ہے رشتہ مرا ابھی
 یہ گھر ہماری جان ہے اے میری آبرو
 آئی تھی گھر ترے تجھے ملنے کے واسطے
 لوٹی ہوں سن کے میں بھی تو غیروں کی ہاؤ ہو

گزرا ہے اک زمانہ تری راہ دیکھتے
 آنا تھا ایک دن تجھے میرے ہی روبرو
 ہم بھی نسیم چلتے ہیں پھولوں کو چھو کے اب
 کب تک رہیں گے ساتھ ہمارے یہ رنگ و بو



چمن سے اٹھ گیا ہے جب سے سارا اختیار اپنا
 وہی آتش کدہ پھر بن گیا ہے لالہ زار اپنا
 ہوئے غارت کہاں جا کر جو سپنے ہم نے دیکھے تھے
 کہا رو کر ہمیں گلچیں نے تھا وہ راز دار اپنا
 ہوا غمگین بلبل بھی، چمن میں بھی اداسی ہے
 ترے جانے سے آزرده ہے ہر اک شہر یا ر اپنا

دکھایا دل جو اس نے تو میں محفل سے نکل آئی
 مگر یہ دیدہ پرہیز ہے تب سے اشک بار اپنا
 ہوا روشن چراغ دل کسی کی یاد میں ایسے
 ہوائے شوق دیکھو تو یہی ہے زر نگار اپنا
 نسیم اس شہر میں اپنے نہیں ہے کوئی اس جیسا
 وہی تھا آشنا اپنا وہی تھا غمگسار اپنا



ملتے ہیں چھپنے والے لبِ بام اب مجھے
 سب دوستوں کے آتے ہیں پیغام اب مجھے
 رہتے ہیں میرے دل میں شناساؤں کی طرح
 جو لوگ ملنے آتے ہیں ہر شام اب مجھے
 حرفِ شناسا بن کے وہ پھرتے ہیں ذہن میں
 اکثر ہی بھول جاتے ہیں یہ نام اب مجھے

کیسے یہ سوچ لوں کہ بہت دور ہوں ابھی
منزل دکھائی دیتی ہے ہر گام اب مجھے

اپنی غرض سے ملتے ہیں مجھ کو نسیم جو
ان کا نہیں ہے کرنا کوئی کام اب مجھے



تھا ترکِ وطن کیا، ہمیں درپیش تھی مشکل
اب سوچتے رہتے ہیں ہوا کیا، ہمیں حاصل

کس سمت چلا ہے یہ مجھے لے کے سفینہ
اس بحرِ طوالت کا کہاں آئے گا ساحل

ہم راہوں سے پوچھو کہ سفر باقی ہے کتنا
کچھ جان تو پائیں کہ کہاں اپنی ہے منزل

دیکھے جو مری آنکھوں نے کچھ خواب ادھورے
کر جاتے ہیں مجھ کو وہ مری روح سے غافل

اس شہر وفا میں تھی نسیم ایک ہی مشکل
ہر شخص غنی تھا نہ ملا کوئی بھی سائل



دشوار رہگزر کا بھی کچھ ڈر نہیں رہا
اب راستے میں کوئی بھی پتھر نہیں رہا
چلنا پڑا ہے مجھ کو بھی راہ جنون میں
کوئی بھی خوف اب مرے اندر نہیں رہا

میں نے پلٹ کے اس کو بھی دیکھا نہیں کبھی
میرا وہ موم جیسا تو پیکر نہیں رہا

شب کے مسافروں کو طلب روشنی کی ہے
ساتھ ان کے آج کوئی بھی رہبر نہیں رہا

کس پر ہو اعتبار کہ اپنا نہیں کوئی
سر پر ہمارے جیسے وہ ساگر نہیں رہا



تمنا ہے تری الفت سے دل سرشار ہو جائے
دل بے تاب کی حسرت ترا دیدار ہو جائے

تری قربت کا طالب ہے مرا یہ غنچہء دل بھی
کبھی شبِ بنم جو روئے تو یہ گل بیدار ہو جائے

ہوا ہے قص گلشن میں صبا چلتی ہے رک رک کر
فدا رخسارِ گل پر بھی کوئی اک بار ہو جائے

جنوں سالار ہو گر کارواں کا راہ الفت میں
خرد سے زندگانی کا مری شہکار ہو جائے

نجوم شب کو اب دیوار پر کیسے سجاؤں میں
کہیں ایسا نہ ہو ہر کام ہی بیکار ہو جائے

شب مہتاب سے پوچھو نسیم اب کیا اداسی ہے
کسی صورت مسرت کا کوئی اظہار ہو جائے



طلب کس کو رہی اب کے کسی سے دل لگانے کی
تلاش اب کے مجھے تو تھی فقط اک آشیانے کی

سمیٹی موجد گل نے بساط زندگی میری
ابھی تک یاد ہے مجھ کو روش گزرے زمانے کی

حریم جاں میں آئی تھی کسی کے لمس کی خوشبو
لکھی تحریر پھر شوق تمنا نے فسانے کی

مری طرزِ فغاں سے تو شناسا ہے چمن سارا
جہاں والے سنیں گے اب صدا میرے ترانے کی

کھلیں گے پھول اب میری تمنا کے بہاروں میں
کہ اب جشنِ بہاراں میں ہے دعوتِ گل دکھانے کی

چراغاں ہے نسیم اختر شرافت میں وفاؤں سے
ادا کی رسم پھر ہم نے اسی گھر کو سجانے کی



بے کلی ایسی تھی ہم اس کی گلی کے ہو گئے
بارہا چھوڑا اسے پھر بھی اسی کے ہو گئے

دم لیا میں نے بھی آ کر پھر اسی چھت کے تلے
بام و در جس کے سبھی اب اجنبی سے ہو گئے

صحنِ گلشن کو لہو سے سینچتی ہی رہ گئی
شاخ پر جو پھول آئے وہ کسی کے ہو گئے

مہرباں گلشن ہے کیسا پھول مہکے ہر طرف
پھول چنتے چنتے ہم تو ہر کلی کے ہو گئے

منصفی کا ہم کہاں سے کرتے اب ساماں بہم
جس نے یہ پتھر چنا اس جوہری کے ہو گئے

اب حدیث شوق بھی کچھ مختصر سی ہے نسیم
اہل فن قائل تری اب شاعری کے ہو گئے



یہ تم سے ہی محبت ہے یہ تم سے ہے شکایت بھی
یہ جو کچھ ہے اے میری جاں تمہاری ہے عنایت بھی

جو بھیجے ہیں مجھے تم نے یہ تحفے سب گلابوں کے
ہے خوشبو قیمتی تحفہ محبت کی روایت بھی

مزاج اس کا بدلتا ہے کہ جیسے موسم گل ہو
نہیں ہوتی چمن میں اب بہاروں سے رعایت بھی

افق پر چھا گئے بادل نہیں ہے قطرہ شبنم
گلوں سے پوچھ کر دیکھو کریں گے وہ حمایت بھی

سجے ہیں میری آنکھوں میں ستارے رات کے سارے
تھا قصہ مختصر اس نے بیاں کر دی حکایت بھی

تقاضا وقت کا ہے تم بدل ڈالو کلام اپنا
نسیم اس بات سے ہوگی سخن میں کچھ کفایت بھی



کسی کا حسن ہے دولت کسی کی
ہمیں اچھی لگی عادت کسی کی
اثاثے بھی نہ کام آئے اگر تو
لٹے گی آج بھی راحت کسی کی

بھٹکتی پھرتی ہے پھولوں پہ تتلی
مہکتی ہے ابھی ساعت کسی کی

میں تنہا بھی گزارہ کر رہی ہوں
جیوں گی کس لیے بابت کسی کی

نسیم اک بات سے میں غمزدہ ہوں
نہیں تصویر اب ثابت کسی کی



خاموش ہے یہ دل مرا کوئی صدا نہیں
اس بات کی خبر مجھے میرے خدا نہیں
میں جانتی ہوں یہ کہ میں زیرِ عتاب ہوں
میرا قصور ہے کہ یہ میری خطا نہیں

میں بھی تو کھو گئی ہوں کسی کے خیال میں
اس سے بچھڑ کے جینا کوئی کم سزا نہیں

اس شہر کے حصار میں ہیں لوگ قید سب
زندان بھی ہے گھر جہاں تازہ ہوا نہیں

پھولا پھولا رہے مرا گلشن سدا یونہی
اس کے سوا لبوں پہ کوئی بھی دعا نہیں

خاموشیاں نسیم تری بے ثمر نہیں
تیری اداسیاں بھی تو کچھ کم عطا نہیں



یوں لگ رہا ہے جیسے یہ میری اساس ہے
میں جس کو چاہتی ہوں وہ گوہر شناس ہے

یہ اور بات ہم اسے اب خود ہی ٹال دیں
ورنہ تو اس کے بعد یہ دل بھی اداس ہے

مانوس لگ رہی ہے یہ نلکھری ہوئی سی دھوپ
رہتا وہ میرے دل کے کہیں آس پاس ہے

تازہ ہوا میں خوشبو بھی تازہ گلوں کی ہے
 اس کا گزر ہوا ہے یہ میرا قیاس ہے
 گھر سے نکل پڑی ہوں خوشی کی تلاش میں
 لیکن نظر کے سامنے صحرائے یاس ہے
 تشنہ لبی نسیم تری رنگ لائے گی
 چاہے تمہارے چاروں طرف اک ہر اس ہے



مجھے عہدِ گزشتہ کے فسانے یاد آتے ہیں
 ابھی تک بھی ہمیں گزرے زمانے یاد آتے ہیں
 ابھی تک یاد کرتے ہیں ہمیں وہ ہمنا سارے
 وہ مستی اور وہ سارے بہانے یاد آتے ہیں
 جو اکثر رات کے پچھلے پہر تک سنتے رہتے تھے
 الف لیلیٰ کے سارے دن سہانے یاد آتے ہیں

کسی سے روٹھ جانا تو نہ ملنے کی قسم کھانا
 پھر اس کی یاد میں آنسو بہانے یاد آتے ہیں
 نئے غنچے چٹختے تھے نئے جب پھول کھلتے تھے
 پرانے شعر گا گا کر سنانے یاد آتے ہیں
 نسیم اب یادِ ماضی کے چراغوں کو جلا کر ہی
 منڈیروں پر دیے رکھ کر جلانے یاد آتے ہیں



لکھی تھی جو کہانی وہ کہانی یاد آتی ہے
 تمہارے پیار کی مجھ کو نشانی یاد آتی ہے
 بہاروں کا سماں سا ہے بھرے گلشن میں دیکھو تو
 گلابوں کی وہ رت اکثر سہانی یاد آتی ہے
 کہی ہے جو غزل میں نے اسی کے نام کر دی ہے
 ہمیں اب اس کے لہجے کی روانی یاد آتی ہے

کہاں سے لاؤں خونِ دل تمہیں اب یاد کرنے کو
میں جب سوچوں تو اس دل میں پرانی یاد آتی ہے

تسیم اختر کہاں ہیں اب وہ جذبوں سے بھری راتیں
ہمیں اب اپنے اشکوں کی روانی یاد آتی ہے



اسے سونپا گیا منصب جو اس منصب کے قابل ہے
مگر وہ اس نوازش سے بہر انداز غافل ہے
ہتھیلی پر لیے پھرتا ہے اپنے کانچ کے دل کو
ذرا سی ٹھیس لگ جائے تو اپنا آپ قاتل ہے
وہ غارت گر لگے صورت سے جیسے چاند ہو کوئی
فلک سے جو نہ اترے گا یہی وہ ماہِ کامل ہے

اب اس کی جھیل سی آنکھوں سے بچ پائے کوئی کیسے
ہوا ہے غرق جو اس میں وہی دریا کا ساحل ہے

جمال اس کا ہے جیسے پھول پر ہو قطرہ شبنم
اسی کے واسطے ہم نے سجائی آج محفل ہے



تری یادوں بھری بوئے سمن تو ملتی رہتی ہے
مرے جذبول کو سورج سے کرن تو ملتی رہتی ہے

مرے محرم کے شایاں ہی نہیں ہے اس جہاں میں اب
چلو اچھا ہمیں بوئے وطن تو ملتی رہی ہے

سخن فہمی کو آئیں گے زمانے میں کہاں سے لوگ
یہ کافی ہے کہ ہم کو دادِ فن تو ملتی رہتی ہے

حصارِ وقت سے مت قید کر تو اپنی ہستی کو
نکل کر دیکھ تو گھر سے پون تو ملتی رہتی ہے

سوالی بن کے جاؤں گی مگر کیسے یہ ممکن ہے
نسیم اختر سے گلشن کو پھبن تو ملتی رہتی ہے



عجب سے موڑ پر لے آئی ہے اب کے خودی مجھ کو
کہاں سے پھر کہاں لے جائے گی اب زندگی مجھ کو

مسافر ہوں جسے اب تک نہ منزل کی خبر کوئی
غموں کی دھوپ میں ملتی کہاں اب تازگی مجھ کو

ترے طرز تغافل سے مجھے محسوس ہوتا ہے
کہیں وہ تو نہیں ہے جو ملا تھا اجنبی مجھ کو

اب اس شہرِ طرب میں کوئی تو غمخوار مل جائے
لگے پھر ظلمتِ شب بھی چراغاں واقعی مجھ کو

امیرِ کارواں مانیں گے کب مجھ کو جہاں والے
مگر اہلِ وفا کی چاہیے بس دوستی مجھ کو

اسی شہرِ خرابی میں سماں ہوگا بہاروں کا
نسیم اس شہر میں مل جائے گی جب آگہی مجھ کو

نظمیں

شوق

بات ہے میرے بچپن کی
گزرے ہوئے زمانے کی
جب اک شوق کی دنیا تھی
جس میں خواب حقیقت تھی
اور یہ آنکھ صداقت تھی

ایک اور خواہش

ہر جانب اک خوشبو ہوتی
شبِ بنم ہوتی موتی موتی
اور وہ پھول کا دامن دھوتی

خواہش

اب بھی دل میں خواہش ہے
میں اک پھول کی صورت ہوتی
بادِ صبا سے جاگتی میں
اور شبِ بنم کی صورت سوتی

میں اڑ سکتی ہوں

میں ہواؤں میں بھی اڑ سکتی ہوں
میری آنکھوں کے ہیں پر خواب مرے

بے بسی

کٹے گی زندگی کیسے
مجھے اب سوچنا ہوگا
رکے گی شاعری کیسے

مشکل

اٹھا رکھا ہے سر پر آسماں
زمیں مجھ کو سہارا دے گی کیوں
ٹکاؤں پاؤں اپنا میں کہاں

قسمت

تم کو میں نے لاکھ بچایا
لیکن تم تو بچ نہیں پائے
کون کہاں خود بچ سکتا ہے

آ خرکار

یادوں کی خوشبو

تم نے غیر کے ہاتھوں میں
 اپنا ہاتھ تھمایا تھا
 میرا چین گنوا یا تھا
 پھر یہ دل نہ ملول ہوا
 اور سب دھول میں دھول ہوا

وہ ہے تیرے ہر سو
 تنگ کرے گی تجھ کو
 یادوں کی وہ خوشبو

کیا پوچھو گے

اپنی چاندی بھی اور اپنا سونا بھی
اس کی خاطر ہے یہ سب کچھ دیکھو تو
اپنا ہونا اور نہ اپنا ہونا بھی